احتجاج اور ردّعمل کا غیر متوازن اظہار

مرزا محمد الیاس°

بے نظیر بھٹو کے سانحے کے بعد پاکستان بھر میں ہونے والے ردّعمل نے بہت سے سوالات کو اہل فکر و عمل کے سامنے رکھا ہے۔ سب سے اہم سوال یہ ہے کہ یہ ردّعمل متشدد اور بے قابو کیوں کر ہوتا گیا؟ اس امر سے کسی کو اختلاف نہیں ہوگا کہ اس بڑے واقعے پر ردّعمل کا رونما ہونا بھی بڑے پیمانے پر ہی متوقع تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ یوں بھی محسوس ہوا کہ یہ متوقع کے ساتھ ساتھ مطلوب بھی تھا۔ اس میں فطری ردّعمل کو غیر فطری ردّعمل سے الگ کرنا، تشدد اور تخریب کو سمجھنا، ان کے محرکات پر غور کرنا اور مستقبل کے لیے ایسا لائحہ عمل بھی تیار کرنا اسی طرح سے ضروری ہے جس طرح اس نوعیت کے واقعات کا سدّ باب کرنا، ملک بھر میں جاری دہشت گردی کی لہر کو سمجھنا اور روکنا اور امن قائم کرنا لازمی ہے۔

یہاں ان واقعات، بیانات اور ان سے پیدا شدہ نتائج کو بیان کرنے اور زیر بحث لانے سے کہیں ضروری ہے کہ ہم متعین انداز میں تجزیہ کریں کہ یہ سب کیا ہوا، کس نے کہاں اپنے فرائض سے پوری طرح انصاف نہیں کیا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ بے نظیر بھٹو کے قتل کے اس بڑے واقعے کے قومی و بین الاقوامی مضمرات کا سامنا کرنے سے قاصر حلقے بھی چاہتے تھے کہ قتل سے توجہ کہیں اور مبذول ہو، دباؤ کی نوعیت تبدیل کی جائے اور اس وقفے میں ان مضمرات کا جائزہ لے کر حکمت عملی تیار ہو جس سے تزویراتی مقاصد حاصل ہو سکیں۔ بظاہر حالات ان مقاصد کی تائید کرتے ہیں۔ اگر

° مدیر، ہفت روزہ ایشیا، لاہور

ہم نقصانات کی نوعیت پر ایک نگاہ ڈالیں تو چیدہ چیدہ نکات یوں مرتب کیے جاسکتے ہیں:

- احتجاج کی لہر اچانک تھی، اس کے نتائج غیر متوقع تھے۔
- ردّعمل اس طرح سے سامنے آیا کہ سیاسی قوتوں کا احتجاج پر کنٹرول نہ رہا۔
- بڑے بڑے نقصانات میں احتجاج نہیں بلکہ تشدد اور تخریب کاری زیادہ نمایاں تھی۔
- منظم اور مجرمانہ حملوں کا نشانہ ایسی املاک، عمارتیں اور افراد بنائے گئے جن کا اس احتجاج سے کسی طرح سے کوئی تعلق اور جواز نہ تھا۔
- سیاسی، لسانی اور گروہی وابستگیوں کے اثرات بھی مرتب ہوئے لیکن قومی دھارے کی سیاسی حیثیت والی کسی پارٹی نے احتجاج کے سوا دوسرے مجرمانہ اقدامات کیے، نہ ان کی حوصلہ افزائی کی۔

ان نکات کو سامنے رکھیں تو یہ بات سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ غم و غصے کی لہر کو بعض متعین مقاصد کی طرف موڑنے والوں کو مطلوبہ اثرات مرتب کرنے میں واضح مدد ملی۔ بے نظیر بھٹو کے اپنے والد کی طرح جان دینے کے تصور کو عام کرنے والوں نے پنجاب سے ایک اور سندھی وزیراعظم کی لاش پر سیاست کی۔ پیپلز پارٹی کی قیادت کے نوڈیرو چلے جانے سے بے نظیر بھٹو کے غم میں نڈھال وابستگان کو اپنے جذبات کے اظہار کے لیے کسی فوری اور سنجیدہ رہنمائی کی ضرورت تھی۔ یہ ضرورت پوری طرح سے اپنے تقاضوں کے ساتھ موجود تھی۔ ان تقاضوں کو پورا کرنے والی قیادت میسر نہ رہی۔ جہاں پر قیادت موجود تھی، وہاں احتجاج اپنے فطری انداز سے آگے نہ بڑھ سکا، تاہم اِکّا دُکّا واقعات ضرور ہوئے۔

ملکی سیاسی فضا ایسے بڑے سانحے کے لیے 'سازگار' تھی جس کا ردّعمل بڑے پیمانے پر ہوتا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ پورے ملک میں سیاسی کارکن پوری طرح سے متحرک تھے۔ انتخابی مہم میں حصہ لینے والے اپنے انداز میں کام کر رہے تھے۔ بائیکاٹ کی مہم چلانے والے اس انداز سے متحرک نہ تھے لیکن عام حالات کی نسبت بہرحال ان میں تحرک موجود تھا۔ اس فضا میں بے نظیر بھٹو کا قتل ہوجانا ایک شدید دھچکا تھا۔

بے نظیر بھٹو کے قتل پر امریکا کا ردّعمل پیپلز پارٹی کے لیے بھی غیر متوقع تھا۔ اگرچہ اس کا

براہِ راست احتجاج اور تشدد سے تعلق نہیں ہے لیکن پیپلز پارٹی کے کارکن کو واضح پیغام مل رہا تھا کہ بے نظیر بھٹو کے بعد اسے اب امریکی اشیر باد نہیں ملے گی۔ یہ نکتہ اس لیے اہم ہے کہ بے نظیر کے وطن واپسی کے بعد حالات، بے نظیر بھٹو کے بیت اللہ محسود سے رابطے، عبدالقدیر خان کے بارے میں تبدیل شدہ رویے (یاد رہے کہ بیان نہیں)، اور اپنی نجی گفتگوؤں میں بیان کردہ حکمت عملی سے الگ راستے کے اشارے، غیر اہم نہیں تھے۔ پیپلز پارٹی نے مخدوم امین فہیم کو وزارتِ عظمیٰ کے لیے نامزد کیا تھا تاکہ امریکی رویوں کا انتظار نہ کرنا پڑے۔ میاں محمد نواز شریف سے امریکی سفارت کاروں کے رابطوں نے تبدیلی کا اشارہ دے دیا تھا۔ اگر ہم یہ محسوس کر سکیں کہ بے نظیر بھٹو کے قتل کے تین دنوں کے اندر ہی بہت سے نشانات نظر آ رہے تھے تو بے جا نہ ہوگا۔

احتجاجی ردّعمل کو جب ہم فطری اور غیر فطری میں تقسیم کرتے ہیں تو اسے ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ کراچی میں پیپلز پارٹی کی قیادت موجود نہیں تھی۔ حالات اس کے کنٹرول میں نہیں تھے۔ سب لاڑکانہ اور نوڈیرو میں تھے۔ پورا شہر ایم کیو ایم کے لیے ایک کھلا میدان تھا۔ اگر ٹی وی چینلوں پر نوڈیرو سے براہِ راست نشر ہونے والے پروگراموں کو دیکھا جائے تو کراچی کے بڑے بڑے راہ نما وہاں موجود تھے۔ کارکن بھی کثیر تعداد میں شہر چھوڑ گئے تھے۔ سوال یہ ہے کہ فطری ردّعمل کو غیر فطری ردّعمل میں تبدیل کرنے والے عناصر کون تھے۔ گھیراؤ جلاؤ میں کون شریک تھا، تنصیبات کو کون تباہ کر رہا تھا، ٹرانسپورٹروں سے پرانی خلش کسے تھی، بنکوں، محکمہ جات کے دفاتر کو، پٹرول پمپوں کو تباہ کرنے والے کہاں سے آئے۔ یقیناً یہ پیپلز پارٹی کے لوگ نہیں تھے۔ یہ جرائم پیشہ گروہ تھے، یہ منظم ٹولیاں تھیں، یہ احتجاج کرنے والے عام لوگ ہرگز نہیں تھے۔ عام لوگ تو نشانہ بنے۔

اس صورتِ حال سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ ملک کے اندر ایسے منظم گروہ، مخصوص انداز میں مخصوص حلقوں کے پروردہ، بھتہ خور اور مافیا موجود ہیں جو کسی بھی وقت بڑے پیمانے پر اس نوعیت کی پُرتشدد کارروائیاں کر سکتے ہیں جن کا سامنا پوری قوم کو کرنا پڑا۔ ریلوے، بنک، کارخانے، پٹرول پمپ جلانا عام سیاسی کارکنوں کا کام ہے، اور نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ اگر عامر چیمہ شہیدؒ کے سانحے میں ۱۴ فروری کو لاہور میں ہونے والے احتجاج کے ہائی جیک ہو جانے کا

واقعہ ذہنوں میں تازہ ہو تو یہ معلوم کرنا مشکل نہیں کہ پُرامن احتجاج کرنے والوں کو اگر یہ شناخت نہ رہے کہ ان کی صفوں میں کون گھس رہا ہے تو پھر نتائج کنٹرول نہیں کیے جاسکتے۔

اس سارے ردعمل میں حکومت کا کردار بھی حیرت انگیز رہا۔ یہ کردار بہت سے سوالات چھوڑ گیا۔ تین دن کے سوگ کا اعلان کیا گیا۔ تین دن کے سرکاری بیانات، الیکٹرانک میڈیا اور اقدامات کو دیکھیں تو یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ایک بڑے پیمانے پر ردعمل کا حکومت کو بہرحال علم تھا۔ یہ محض اندازہ نہیں تھا۔ اس ردّعمل کے فطری اور غیر فطری، پُرامن اور پُرتشدد کے مراحل میں داخل کرنے میں حکومت بھی برابر کی ذمہ دار تھی۔ کراچی شہر میں ۳۰ ہزار پولیس اور رینجرز کے اہل کار کس کے ایما پر خاموش رہے۔ اندرون سندھ ریل گاڑیوں پر حملے روکے کیوں نہ جاسکے۔ جواب یہ ہے کہ روکنے والا کوئی نہ تھا۔ ماضی کے واقعات کو دہرائیں تو یہ حقیقت نظرانداز نہیں کی جاسکتی کہ ریلوے ٹریک پر احتجاج ٹرین روک دینے تک محدود رہا۔ اس مرتبہ ریل گاڑیاں جلادی گئیں، ٹریک اُکھاڑ دیا گیا، ریلوے اسٹیشن جلا دیے گئے۔ روکنے والے کہاں تھے۔ حکومت نے سوگ کے دنوں کو مجرموں کے لیے کھل کھیلنے کا موقع دیا۔ لاہور میں احتجاج کو لیجیے۔ جہاں انتظامیہ متحرک تھی وہاں محض ٹائر جلائے گئے۔ اس کیفیت کو پیدا کرنے کا مقصد بے نظیر بھٹو کے قتل سے پیدا ہونے والے دباؤ کا رخ تبدیل کرنا تھا۔

ایک اور عجیب فیصلہ یہ سامنے آیا کہ جن کا نقصان ہوا ہے، ان کو معاوضہ دیا جائے۔ اس کے لیے کمیشن بنا دیا گیا کہ وہ نقصان کا اندازہ لگائے۔ درست ہے ایسا ہونا چاہیے تھا۔ لیکن نقصان کیوں ہوا، احتجاج کیوں بے قابو ہوگیا، پورے ملک میں شدید بدنظمی، بدامنی اور عام آدمی کی بے بسی کن وجوہات کی بنا پر سامنے آئی، اس کا احاطہ کرنا ضروری تھا، یہ کام نہیں کیا گیا۔ فساد کرنے والوں سے سختی سے نپٹنے کا حکم بھی دیر سے آیا۔

یہ صورت حال خود بتا رہی ہے کہ یہ خود پیدا نہیں ہوئی۔ اسے بے نظیر بھٹو کے قتل کے بعد فطری ردّعمل سے بڑھ کر ایک بڑے غیر فطری ردّعمل کی صورت میں تخلیق کیا گیا۔ ایک ایسے کمیشن کا مطالبہ جو وہ حیثیت نہیں رکھتا جو سوگ کے خاتمے کے ساتھ ہی ہونا چاہیے تھا۔

آخری نکتہ یہی رہ جاتا ہے کہ ہم آئندہ ایسے حالات سے کس طرح ملک و قوم اور خود کو

محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ اس بارے میں چند گزارشات ہیں۔ تفصیلی جائزہ اور لائحہ عمل کی تیاری سیاسی جماعتوں اور حکومت کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔

—— ملک میں موجود سیاسی قیادت کے خلا کا برقرار رہنا محض ایک سیاسی خطرہ ہی نہیں ہے، بلکہ ایک حقیقی اور فوری خطرہ ہے۔ اس کا ازالہ ضروری ہے۔ اس کے لیے جملہ اقدامات سیاسی جماعتوں کے مطالبات کی صورت میں موجود ہیں، اس لیے تذکرہ ضروری نہیں۔

—— خودکش حملوں، دہشت گردی کے واقعات کی روک تھام اور خاتمے کی حکمت عملی اسی صورت میں کارگر ہوسکتی ہے کہ پاکستان امریکا کی مسلط کردہ دہشت گردی کے خلاف جنگ سے الگ ہوجائے۔

—— حکومت کے انٹیلی جنس اداروں کے سیاسی کردار کو ختم کیا جائے۔ ان میں قائم سیاسی، صحافتی اور دیگر حساس شعبہ جات کو، جن کا براہ راست عوامی نمایندگی سے کسی طور سے تعلق ہے، ختم کیا جائے۔

—— حکومت کے انتظامی اداروں کو ان کی پیشہ وارانہ ذمہ داریوں میں خودمختار بنایا جائے تاکہ وہ ایسے حالات میں منتخب اداروں کو جواب دہ ہوں اور ان کا احتساب کیا جاسکے۔

—— سیاسی جماعتوں کے اندر قائم مافیا، جرائم پیشہ افراد کے گروہوں اور بھتہ خوروں کا خاتمہ کرنے کے لیے خود سیاسی قیادت کردار ادا کرے۔

—— ۲۷ دسمبر ۲۰۰۷ء کے بعد کے واقعات میں تشدد اور تخریب کے در آنے کی وجوہات کا تعین کیا جائے اور آیندہ ان کی روشنی میں اقدامات کیے جائیں۔

یقیناً ہمارے معاشرے میں بہت بنیادی اور اہم تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ ہماری معاشرتی زندگی ایک بے ہنگم اور غیر حقیقی زندگی ہے۔ اس میں انصاف، قانون کا احترام اور رواداری کی قلت کو عدلیہ پر شب خون مارنے کے واقعات نے دوآتشہ کر رکھا ہے۔ ہمیں ایک نظریے ایک منزل کا تعین کرنا ہوگا۔ ہم محض نعروں سے دل بہلاتے رہے تو آنے والا سورج ہمیں زندگی کی ۱۱ تمازت دینے سے انکار کردے گا۔